۱۔اولاد کے نفقے کے بارے میں فقہی احکام

۱۰۱۔نفقۂ اولاد کی اہمیت

نفقہ بچے کا مذہبی اور قانونی حق اور والد کی ذمے داری ہے۔ نفقہ ایک ایسے بچے کا حق ہے جو مال یا ذریعۂ آمدنی نہ رکھتا ہو۔ اولاد کا نفقہ دینے کی ذمے داری زوجہ کو نفقہ دینے کی ذمے داری سے مختلف ہے۔ یہ دو الگ الگ حقوق ہیں اور ایک حق دوسرے پر اثر انداز نہیں ہوتا حتیٰ کہ اگر اولاد والدہ کے ساتھ رہائش پذیر ہو، تو بھی والد اس کے نفقے کا ذمے دار ہے، البتہ والد صرف جائز بچے کے نفقے کا ذمے دار ہے ناجائز بچے کا نہیں۔[1]

وراثت، نفقہ اور ولایت جیسے حقوق بچے کے نسب اور جائز حیثیت کی بنیاد پر دیے جاتے ہیں، اسلامی قانون ایسے بچے کو جائز تصور کرتا ہے جو ایک صحیح یا فاسد شادی کے دوران پیدا ہوا ہو۔ اسلام کے مطابق ناجائز بچہ صرف ماں کا تصور ہوتا ہے اور اس کا رشتہ والد سے تسلیم نہیں کیا جاتا۔ ایسے بچے کے نفقے کی ذمے داری اس کی ماں یا ماں کی طرف کے رشتہ داروں پر عائد ہوتی ہے۔[2]

نفقہ ایک ایسا فرض ہے جس کی بنیاد ولایت پر ہے۔ اسلامی قانون کے مطابق بچے کا ولی اس کا والد ہوتا ہے، جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ ایسا کرنا بچے کی فلاح و بہبود کے خلاف ہے۔ نفقے کی مقدار کا تعین والد کی مالی حیثیت کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے۔[3] نفقے میں خوراک، لباس، رہائش، تعلیم اور دیگر ضروری

۱۔ محمد حسینی الشیرازی، **الفقه** (بیروت: دار العلوم، ۱۹۸۸ء)، ۶۸: ۳۱۲؛

David Pearl and Werner Menski, *Muslim Family Law* (Lodon: Sweet & Maxwell, 1998), 430.

2– John L. Esposito, *Women in Muslim Family Law* (Syracuse University Press, 1982), 38 ; Jamal J. Nasir, *Islamic Law of Personal Status* (Londan: Graham & Trotman, 1990), 156 ; David Peral, *A Text Book on Muslim Personal Law* (London: Croom Helm, 1987), 85 ; Tanzil-ur-Rehman, *A code of Muslim Personal Law* (Karachi: Islamic Publishers, 1978), 1: 690-692.

۳۔ منصور بن یونس بن ادریس البہوتی، **كشاف القناع عن متن الإقناع** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۹۷ء)، ۵: ۱۵۶۵؛ علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی، **بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۷۷ء)، ۵: ۱۷۲؛

Ziba Mir Hosseini, *Marriage on Trial: A Study of Islamic Family Law* (London: I.B. Taurus, 2000), 146.

اخراجات شامل ہوتے ہیں جو کہ والد بلوغت تک ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔[۴] یہ نہ صرف مذہبی بلکہ ایک قانونی فریضہ بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں والد کو ماں اور بچے کو نفقہ دینے کا ذمے دار ٹھہرایا ہے۔ سورۃ البقرہ کی میں نفقے کے لیے رزق اور کِسْوَۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔[۵] جس سے مراد خوراک، لباس اور دوسرے ضروری اخراجات ہیں۔[۶] اس موضوع پر متعدد احادیث بھی موجود ہیں۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب ایک مسلمان ثواب کی نیت سے اپنے خاندان پر کچھ خرچ کرتا ہے، اسے صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔"[۷] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کہ ہند، جو عتبۃ کی بیٹی اور ابو سفیان کی بیوی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ ابو سفیان کنجوس آدمی ہے مجھے اور میرے بیٹے پورا خرچ نہیں دیتا سوائے اس کے جو میں اس کے علم میں لائے بغیر لے لوں، کیا مجھے اس پر گناہ ہو گا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: اس کے مال میں سے اتنا لے لو جتنا تمھارے اور تمھارے بیٹے کے لیے کافی ہو۔[۸]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا میرے پاس ایک دینار ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو اپنی ذات پر خرچ کرو، اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، اپنے بچوں پر خرچ کرو، اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اس کو اپنے غلام / خادم پر خرچ کرو، اس نے کہا میرے پاس ایک اور

۴۔ فضل الرحمان ہلال عثمانی، **اسلامی قانون: نکاح، طلاق، وراثت** (کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۸۹ء)، ۱۰۶؛ محمد یوسف موسی، **النسب و آثاره** (قاہرہ: معهد الدراسات العربيه العالية، ۱۹۵۸ء)، ۱۳۲؛ محمد مصطفی شلبی، **أحكام الأسرة في الإسلام** (بیروت: دار النهضة العربية، ۱۹۷۳ء)، ۸۳۵۔

۵۔ ﴿**وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ**﴾ (بچوں کی ماؤں کا کھانا اور لباس دستور کے مطابق بچے کے والد پر لازم ہے۔) (القرآن ۲: ۲۳۳۔)

6– Abdual Rehman I. Doi, *Women in Shariah* (London: Ta-Ha Publisher), 108.

۷۔ محمد بن اسماعیل البخاری، **صحيح البخاري** (دمشق: دار الطوق النجاة، ۱۴۲۴ھ)، ۱: ۲۰۔

۸۔ ابن حجر العسقلانی، **بلوغ المرام من أدلة الأحكام** (گوجرانوالہ: دار نشر الكتب الإسلامية، ۱۹۸۶ء)، ۷: ۸۴۔۷۸۵۔

دینار ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اب اس کے بارے میں تم خود بہتر جانتے ہو۔[9] مندرجہ بالا احادیث اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ بچے کا نفقہ والد پر فرض ہے۔

مسلمان فقہا اس امر پر متفق ہیں کہ اولاد کا نفقہ والد پر واجب ہے، لیکن جہاں تک اولاد کی اولاد کا تعلق ہے، اس پر فقہا میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جمہور فقہا کے نزدیک اولاد اور اولاد کی اولاد سب کا نفقہ والد پر فرض ہوتا ہے، مالکیہ اس بات سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک صرف اپنی اولاد کا نفقہ ہی والد پر فرض ہوتا ہے اولاد کی اولاد اس حق سے محروم ہے۔[10]

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مالی طور پر مضبوط شخص اپنے والدین اور ان کے والدین (اگر زندہ ہوں تو) کے نفقے کا بھی ذمے دار ہے۔ حنابلہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ نفقہ دینے والے اور لینے والے کا تعلق ایک ہی مذہب سے ہونا چاہیے، کیوں کہ دین میں اختلاف حق وراثت کو ختم کر دیتا ہے اور حق نفقہ کی بنیاد حق وراثت ہے۔ ظاہری فقہا کی رائے ہے کہ جو شخص خوش حال ہو، وہ اپنے والدین اور ان کے والدین (اگر زندہ ہوں)، اولاد (اور اولاد کی اولاد)، بہن بھائی اور بیویوں کے نفقے کا ذمہ دار ہے۔ یہ سب رشتے دار حق نفقہ میں برابر ہیں۔ حنفی فقہا کے مطابق اولاد اور والدین کے علاوہ رشتے داروں کا نفقہ صرف اس صورت میں فرض ہوگا جب وہ ضرورت مند ہوں۔[11]

۱۰۲–نفقہ کی شرائط

والد پر نفقہ کے واجب ہونے کے لیے درج ذیل شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے:

۹– ابو بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی، **السنن الکبری** (بیروت: دارالکتب العلمیة، ۱۹۹۹ء)، ۷: ۷۸۴–۷۸۵، رقم:۱۵۷۳۴۔

۱۰– الکاسانی، نفس مصدر، ۵: ۱۷۲۔

۱۱– وہبہ الزحیلی، **الفقه الإسلامي و أدلته** (دمشق: دارالفکر، ۲۰۰۴ء)، ۱۰: ۷۴۱۱– ۷۴۱۲؛ محمد جواد مغنیہ، **الفقه على المذاهب الخمسة: الجعفري، الحنفي، المالكي، الشافعي، الحنبلي** (بیروت: دارالعلم للملايين، ۱۹۷۷ء)، ۴۰۰۔

۱۔ پہلی شرط یہ ہے کہ بچہ مال دار نہ ہو۔ اگر بچہ مال دار ہو تو وہ اپنے نفقے کا خود ذمے دار ہے۔[۱۲] نفقے کا عمومی قانون یہ ہے کہ جب انسان اس کا مستحق یا ضرورت مند ہو یہ تب واجب ہوتا ہے۔ زوجہ کو اس عمومی قانون سے استثنا حاصل ہے کیوں کہ وہ نفقے کی ہر حالت میں مستحق ہوتی ہے چاہے مال دار ہے یا مفلس۔[۱۳] حاجت یا ضرورت کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ وہ چیز جس کے بغیر انسان مشکل اور مشقت کا سامنا کرے، لیکن اس کا دین، زندگی، نسل، عقل اور مال خطرے میں نہ پڑیں۔[۱۴] اگر بچہ ضرورت مند ہے تو نفقہ والد پر واجب ہو گا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک والدین اپنے نفقے کے لیے بھی تو اپنے بچے کی منقولہ جاے داد بیچنے کے اہل ہوتے ہیں، بہ شرطے کہ وہ موجود نہ ہو اور والدین ضرورت مند ہوں البتہ اس کے لیے عدالت کی اجازت درکار ہو گی۔[۱۵] اگر والد نے عدالت کے حکم پر مال دار بچے کو نفقہ ادا کیا ہو اور بچہ مال دار ہو تو وہ اس رقم کی واپسی کا دعویٰ بھی کر سکتا ہے، لیکن عدالت کے حکم کے بغیر دیے گئے نفقے کی واپسی کا دعوی نہیں کیا جا سکتا، سواے اس کے کہ والد نے نفقے کی واپسی کا ارادہ کھلے لفظوں میں نفقہ دیتے وقت ظاہر کیا ہو اور گواہان بھی موجود ہوں۔[۱۶] علامہ الکاسانی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اگر والد اور بچہ دونوں مال دار ہوں تو والد کو چاہیے کہ وہ بچے کا نفقہ خود ادا

۱۲۔ ابو العباس احمد بن حمزہ الرملی، **نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج** (بیروت: دار الفکر، ۲۰۰۴ء)، ۷: ۲۱۸–۲۲۰؛ البہوتی، نفس مرجع، ۵: ۵۲۶، شبلی، نفس مرجع، ۸۳۳؛ زین الدین بن ابراہیم بن محمد ابن نجیم، **البحر الرائق شرح كنز الدقائق** (بیروت: **دار الكتب العلمية**، ۱۹۹۷ء)، ۴: ۲۹۳؛ شیخ علی الخطیب، **فقه الطفل** (بیروت: مؤسسة المعارف للمطبوعات، ۲۰۰۲ء)، ۲۱۶؛ الکاسانی، مصدر سابق، ۵: ۱۸۰۔

۱۳۔ Nasir, *Islamic Law*, 170؛ فخر الدین حسن بن منصور از جندی الفرغانی، **فتاوی قاضی خان** (نیو دہلی: کتاب بھون، ۱۹۸۶ء)، ۱: ۳۲۸؛ موسیٰ، **النسب**، ۱۲۷–۱۲۹۔

۱۴۔ وہبہ الزحیلی، مرجع سابق، ۵۰۰–۵۱۰؛
Luqman Zakariya, "*Legal Maxims & Islamic Financial Transactions: A Case Study of Martgage and the Dilemma for Muslim in Britain; Arab Law Quarterly*", vol: 26 (3), (2012), 267-277.

۱۵۔ ابن نجیم، مرجع سابق، ۴: ۳۴۰–۳۴۱؛ شبلی، مرجع سابق، ۸۳۳–۸۳۴۔

۱۶۔ الفرغانی، **فتاوی**، ۳۲۷–۳۲۸؛ ابن نجیم، **البحر الرائق**، ۴: ۳۴۰–۳۴۱؛ شبلی، مرجع سابق، ۸۳۴؛ موسیٰ، مرجع سابق، ۱۳۲–۱۳۳۔

کرے۔ بچے کا مال وہ صرف اس صورت میں خرچ کر سکتا ہے جب وہ صاحب حیثیت نہ ہو۔[۱۷] کاسانی کی رائے مندرجہ بالا عمومی قانون سے متضاد نظر آتی ہے جس کے مطابق جو خود صاحب مال ہو وہ اپنے نفقے کا خود ذمہ دار ہے۔

۲- دوسری شرط یہ ہے کہ بوجوہ کم عمری اور عدم استطاعت عمل، بچہ اپنے لیے خود کمانے کے قابل نہ ہو۔ یہ شرط صرف لڑکے کے لیے ہے۔ اگر لڑکا بالغ ہے لیکن کسی جسمانی نقص یا بیماری کے باعث کام کرنے اور کمانے کی استطاعت نہیں رکھتا تو قطع نظر عمر کے اس کے نفقے کی ذمے داری اس کے والد پر ہو گی، لیکن جو بالغ مرد کام کرنے اور کمانے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ اپنے نفقے کا خود ذمے دار ہے۔[۱۸] ایسا شخص جو کام کی استطاعت تو رکھتا ہو لیکن کام نہ کرنے کی وجہ سے حاجت مند ہو، تو اس کے بارے میں فقہا میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حنبلی فقہا کے مطابق ایسے شخص کو کام کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور کوئی دوسرا اس کے نفقے کا ذمے دار نہ ہو گا، لیکن اگر تو وہ روزی کمانا چاہتا ہے، لیکن اسے کام نہیں ملتا تو اس کے نفقے کا ذمے دار اس کا والد ہو گا۔[۱۹] حنفی اور شافعی فقہا کے مطابق اس صورت حال میں بیٹے کے نفقہ کا ذمے دار والد ہو گا، کیوں کہ والدین اور اولاد کے درمیان "کام کرنے کے قابل نہ ہونا" نفقے کے وجوب کی شرط نہیں ہے، لیکن دوسرے رشتے داروں کے لیے "کام کرنے کے قابل نہ ہونا" نفقے کے وجوب کی شرط ہے۔ مالکی فقہا کے نزدیک ایسا شخص چوں کہ روزی کمانے کی صلاحیت رکھتا ہے لہٰذا اپنے نفقے کا خود ذمے دار ہو گا۔ جہاں تک بیٹی کا تعلق ہے، اس کے نفقے کی ذمے داری اس کی شادی تک اس کے والد پر ہو گی۔ مالکیوں کے نزدیک قطع نظر عمر کے لڑکی کے بارے میں یہی سمجھا جائے گا کہ وہ روزی کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ دوسرے فقہا کے نزدیک اگر لڑکی صاحب مال نہ ہو تو اس کا نفقہ والد پر واجب ہو گا، لیکن اگر وہ صاحب مال ہو تو وہ اپنے نفقے کی خود ذمے دار ہے۔ ایک بالغ لڑکا یا لڑکی نفقے کے حق دار سمجھے جائیں گے، اگر وہ حصول علم میں کوشاں ہوں لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ جس علم کے حصول میں وہ مصروف ہیں وہ تعلیمات اسلام کے منافی نہ ہو۔[۲۰] کمانے کی استطاعت رکھنے مگر کام نہ

۱۷- الکاسانی، مرجع سابق، ۵: ۱۸۲۔

۱۸- محمد امین بن عابدین، **حاشیة رد المختار علی الدر المختار** (دمشق: **دارالثقافة والتراث**، ۲۰۰۰ء)، ۱۰: ۶۱۰؛ البہوتی، **کشاف القناع**، ۵: ۵۶۶؛ الفرغانی، مرجع سابق، ۱: ۳۲۲؛ الرملی، **نہایة المحتاج**، ۷: ۲۱۸۔

۱۹- البھوتی، مرجع سابق، ۵۶۵-۵۶۷۔

۲۰- الفرغانی، مرجع سابق، ۱: ۳۲۲؛ شبلی، مرجع سابق، ۸۳۳-۸۳۴۔

کرنے والے لڑکے کو والد روزی کمانے پر مجبور کر سکتا ہے، البتہ طالب علم بیٹے اور بیٹی کو کمانے پر مجبور نہیں کر سکتا۔[۲۱]

فقہا متفق ہیں کہ والد اپنے بیٹے کے نفقے کا ذمے دار اس کی بلوغت تک ہوتا ہے، لیکن بیٹی کے نفقہ کا ذمے دار وہ تب تک ہو گا جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے اور اس کی شادی نہ ہو جائے۔ شادی کے بعد اس لڑکی کے نفقے کا ذمے داری اس کے شوہر ہو گا طلاق یا بیوگی کی صورت میں اس کا والد ایک دفعہ پھر اس کے نفقے کا ذمے دار بن جائے گا۔ جیسا کہ اوپر دی گئی سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ والد اپنی بیٹی کو کمانے پر مجبور نہیں کر سکتا لیکن اگر بیٹی کا کوئی ذریعہ آمدن ہو تو وہ اپنے نفقہ کی خود ذمہ دار ہو گی۔[۲۲]

۳۔ نفقے کے وجوب کی تیسری شرط یہ ہے کہ والد صاحب مال ہو اور نفقہ دینے کی استطاعت رکھتا ہو۔ اس شرط پر تمام فقہا کا اتفاق ہے سوائے احناف کے؛ حنفی فقہا کے نزدیک صاحب مال ہونا دیگر رشتے داروں کے نفقے کے واجب ہونے کی شرط تو ہے لیکن والدین اور اولاد کے نفقے کے وجوب کی شرط نہیں ہے۔ اگر والد کام کرنے کی اہلیت رکھتا ہو تو یہ نفقے کے وجوب کے لیے کافی تصور ہو گا۔[۲۳] والد اگر چاہے تو بچوں کے نفقے کے لیے قرض بھی لے سکتا ہے۔[۲۴] اگر والد کام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو مگر کام نہ کرتا ہو تو قاضی اسے قید میں بھی رکھ سکتا، تاوقتے کہ وہ کام کرنے پر راضی ہو جائے۔[۲۵]

احناف کے علاوہ باقی فقہا کے مطابق اگر والد مال دار تو نہیں لیکن کام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو وہ اولاد کے نفقے کا ذمے دار نہ ہو گا۔ ان کے ہاں کام نہ کرنے کی صورت میں نفقے کی ذمے داری قریب ترین رشتے دار پر عائد نہیں ہو گی کیوں کہ والد نہ صرف زندہ ہے بلکہ کام کی استطاعت بھی رکھتا ہے۔ اگر کوئی اور رشتے دار

۲۱۔ مغنیہ، **الفقه على المذاب الخمسة**، ۴۰۱– ۴۰۲ ؛ الزحیلی، **الفقه الإسلامي**، ۱۰: ۷۴۱۳– ۷۴۱۴ ؛ Nasir, *Islamic Law*, 173۔

۲۲۔ نفس مرجع؛الرملی،**نهاية المحتاج**،۷: ۲۱۹؛

Burhan-al-Din Abi al-Hasan al-Marghinani, *Hedaya*: Commentary on the Islamic Law (Tr. Charles Hamilton) (New Delhi: Kitab Bhavan, 1870), 147.

۲۳۔ الکاسانی، مرجع سابق،۵: ۱۸۷؛موسی، مرجع سابق، ۱۳۴– ۱۳۵۔

۲۴۔ موسی، مرجع سابق، ۱۳۴– ۱۳۵۔

۲۵۔ ابن النجیم، مرجع سابق، ۴: ۳۴۱؛الزحیلی، **الفقه الإسلامي و أدلته**، ۷۴۱۲۔

ایسے بچے پر خرچ کرے گا تو یہ والد پر قرض تصور ہو گا، لیکن اگر والد مستقل طور پر کام کرنے کے قابل نہ ہو تو اسے فوت شدہ تصور کیا جائے گا اور نفقے کی ذمہ داری قریب ترین رشتے دار پر ڈال دی جائے گی اور یہ والد پر قرض تصور نہ کیا جائے گا۔[۲۶]

فقہا نے "مضبوط معاشی صورت حال" یا والد کے صاحب مال ہونے کے لیے "یسار" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یسار کی مختلف فقہا نے مختلف تعریفات بیان کی ہیں۔ امام ابو یوسف ؒ کے مطابق یسار سے مراد ہے کہ وہ شخص صاحب نصاب ہو، یعنی زکوٰۃ اس پر واجب ہو اور وہ صدقے کا مستحق نہ ہو۔[۲۷]

امام محمد ؒ کے مطابق ایسے شخص کے پاس اپنے اور اپنے خاندان کے لیے ایک مہینے کا نفقہ موجود ہو،[۲۸] اگر وہ شخص ان شرائط کو پورا نہ کر سکتا ہو تو مالی طور پر کم زور تصور کیا جائے گا اور بچے کے نفقے کی ذمے داری دوسرے صاحب استطاعت رشتے داروں کو منتقل ہو جائے گی۔ ایک اور شرط نفقے کے وجوب کی یہ ہے کہ والدین آزاد ہوں، غلام نہ ہوں، کیوں کہ غلام کے نفقہ کے لیے اس کا آقا ذمے دار ہوتا ہے۔[۲۹]

احناف کے نزدیک، اگر بچہ اور والد دونوں معاشی طور پر کم زور ہوں اور نفقے کی استطاعت نہ رکھتے ہو تو عدالت والدہ کو یہ ذمے داری سونپ سکتی ہے۔ والدہ بھی نفقے کے لیے قرض لینے کی مجاز ہے۔ اگر والد مستقبل میں کام کرنے کے قابل ہو جائے یا معاشی طور پر مستحکم ہو جائے تو وہ والدہ کو قرض کی رقم لوٹانے کا پابند ہو گا۔ اگر والد غائب یا غیر حاضر ہو اور اولاد کے لیے نفقہ نہ چھوڑ کر گیا ہو تو یہی قاعدہ لاگو کیا جائے گا۔[۳۰]

حنبلی فقہا کے نزدیک نفقہ دینے اور لینے والے کا تعلق ایک مذہب سے ہونا ضروری ہے، کیوں کہ حق نفقہ حق وراثت کی بنیاد پر دیا جاتا ہے اور مسلم اور غیر مسلم ایک دوسرے پر حق وراثت نہیں رکھتے، اس

۲۶- ابن عابدین، **حاشیة**، ۱۰: ۶۰۴- ۶۰۵؛ الفرغانی، مرجع سابق، ۱: ۳۲۸۔

۲۷- الکاسانی، مصدر سابق، ۵: ۱۸۶۔

۲۸- نفس مرجع۔

۲۹- ابن عابدین، **حاشیة**، ۱۰: ۶۰۰- ۶۰۴۔

۳۰- الفرغانی، **فتاویٰ**، ۱: ۳۲۵- ۳۲۷۔

لیے ان کا حق نفقہ بھی ثابت نہیں ہو گا۔ حنبلی فقہا دلیل کے طور پر مندرجہ ذیل آیت کا حوالہ دیتے ہیں:
﴿وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ﴾[۳۱] (اور بچے کے وارث کے ذمہ بھی اسی طرح نفقہ ہے جیسا والد کے ذمہ تھا۔)

شوافع اور مالکیہ کے نزدیک ایک مذہب سے ہونا نفقے کے وجوب کی شرط نہیں ہے۔ یہ شرط نہ تو اولاد اور نہ ہی زوجہ کے نفقے کے لیے ہے۔ زوجہ اگر غیر مذہب سے بھی ہو تو شوہر اس کو نفقہ دینے کا پابند ہوتا ہے۔ حنفیوں کے نزدیک یہ شرط اولاد اور والدین کے نفقے کے لیے نہیں ہے، لیکن دیگر رشتے داروں کے نفقے کے وجوب کے لیے ضروری ہے۔ ان جمہور فقہا کی دلیل آیت کا یہ حصہ ہے۔[۳۲]

"اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہو گا۔"[۳۳]

ان کی دلیل ہے کہ اس آیت مبارکہ میں مذہب کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا اس کو شرط نہیں بنایا جا سکتا۔ ان کے نزدیک نفقے کی بنیاد نسب ہے، مذہب نہیں ہے۔

۱۰۳- نفقے کی ذمے داری

جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ بچے کے نفقے کا ذمے دار اس کا والد ہوتا ہے؛ (یہ قاعدہ قرآن و حدیث کی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔) چاہے بچہ والدہ یا کسی اور کی حضانت میں ہو، اگر والدہ بچے پر خرچ کرے گی تو وہ بھی ثواب کی مستحق ہو گی۔[۳۴] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ اگر میں ابو سلمہ کے بیٹوں پر خرچ کروں تو کیا ثواب کی مستحق ہوں گی؟ میں انھیں فقیروں کی طرح بھوک اور ضرورت کے لیے بھٹکتا نہیں دیکھ سکتی۔ آخر وہ میرے بیٹے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "ہاں تم ان پر جو بھی خرچ کرو گی ثواب پاؤ گی۔"[۳۵]

۳۱- القرآن ۲: ۲۳۳۔

۳۲- البہوتی، **كشاف القناع**، ۵: ۵۶۹- ۵۶۶؛ ابن النجیم، **البحر الرائق**، ۴: ۳۵۲- ۳۵۳؛ الزحیلی، **الفقه الإسلامي و ادلته**، ۱۰: ۷۴۱۵؛ مرغینانی، **الهداية**، ۱۴۶- ۱۴۷۔

۳۳- القرآن ۲: ۲۳۳۔

۳۴- ابن النجیم، **البحر الرائق**، ۴: ۳۴۰- ۳۴۱؛ الکاسانی، **بدائع الصنائع**، ۵: ۱۷۲۔

۳۵- البیہقی، **السنن الكبرى**، ۷: ۷۸۵۔

حنفی فقہا کے نزدیک والد کی وفات کی صورت میں والد کے ورثا اپنے حق وراثت کے مطابق نفقہ دینے کے ذمے دار ہوں گے۔ اگر ورثا موجود نہ ہوں تو قریب ترین رشتے دار پر یہ ذمے داری عائد ہو گی۔ اگر والدہ زندہ ہو اور نفقہ کی استطاعت رکھتی ہو تو نفقے کی ذمے داری اس پر عائد ہو گی۔[۳۶]

مالکی فقہا اس بات سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک نفقہ صرف والد کی ذمے داری ہے یہ ذمے داری کسی اور رشتے دار پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ وہ ایک دینار والی حدیث کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں ایک ہے مالکیوں کے نزدیک اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے اس شخص کو صرف اپنے خاندان، اولاد اور خادم پر خرچ کرنے کو کہا کسی رشتے دار کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس بنیاد پر نفقے کا حق صرف اولاد، والدین اور غلاموں کا ہوتا ہے۔ دیگر رشتے دار اس حق سے محروم ہیں۔[۳۷]

شافعی فقہا کے نزدیک والد کی غیر موجودگی یا عدم استطاعت کی صورت میں والدہ اپنی اولاد اور ان کی اولاد (اگر ہو تو) کے لیے ذمے دار تصور کی جائے گی اور ان کی راے سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۳۳ پر مبنی ہے۔[۳۸]

حنبلی فقہا کے نزدیک ورثا اپنے حق وراثت کے مطابق نفقہ دینے کے پابند ہوں گے۔ مثال کے طور پر اگر بچے کی والدہ اور دادا زندہ ہیں تو والدہ ثلث (۱/۳) اور باقی نفقے کے لیے دادا ذمے دار ہو گا۔ دیگر فقہا اس نقطے پر حنابلہ سے اختلاف رکھتے ہیں۔[۳۹] جمہور فقہا کے ہاں حق نفقہ کی بنیاد قرابت داری پر ہے۔ نفقہ قریب ترین رشتے دار پر فرض ہو گا۔ مثال کے طور پر اگر بچے کے بہن بھائی ہیں تو وہ نفقے میں برابر حصہ ڈالیں گے کیوں کہ ان کا بچے سے رشتہ برابر ہے، حالاں کہ وراثت کے قانون کے مطابق بھائی کا حصہ بہن سے زیادہ ہوتا ہے۔ ان فقہا کے نزدیک اگر قریبی رشتے دار زندہ ہو تو دور کے رشتہ پر نفقہ فرض نہیں کیا جاسکتا، سواے اس کے کہ وہ قریبی رشتہ دار معاشی طور پر نفقہ دینے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ اس صورت میں نفقے کی ذمے داری بیت المال (ریاست) پر ہو گی۔[۴۰]

۳۶- ابن عابدین، **حاشیة**،۱۰: ۶۰۴- ۶۰۶۔

۳۷- الزحیلی، **الفقه الإسلامي و أدلته**،۱۰: ۷۴۱۶؛ابن النجیم،**البحر الرائق**،۴: ۳۳۵۔

۳۸- نفس مرجع۔

۳۹- الزحیلی،**الفقه الإسلامي و أدلته**،۱۰: ۷۴۱۶؛مغنیہ،**الفقه**،۴۰۵۔

۴۰- موسیٰ،**النسب**،۱۳۲- ۱۳۳؛شبلی، **الاحکام الأسرة**،۸۳۴۔

اگر نفقہ والد کے بجائے کسی اور نے ادا کیا ہو تو وہ والد پر قرض تصور ہو گا، لیکن اگر والد کی معاشی صورت حال میں بہتری نہیں آئی تو اس سے اس قرض کی ادائی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ والدہ کے پاس یہ اختیار ہے کہ وہ بچے کے نفقے کے لیے عدالت سے رجوع کر سکتی ہے۔ عدالت والد کی معاشی صورت حال اور دیگر ذمے داریوں کو دیکھتے ہوئے نفقے کا تعین کرے گی۔ ایسی صورت میں اگر والد نفقہ نہیں دیتا تو عدالت اسے قید میں بھی ڈال سکتی ہے۔[41]

جمہور فقہا (سوائے مالکیہ) کے نزدیک زمانہ ماضی کے لیے نفقہ نہیں مانگا جاسکتا۔ نفقے کی بنیاد ضرورت وحاجت پر ہے۔ جو وقت گزر گیا نفقے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، لیکن مالکی فقہا کے نزدیک عدالت زمانۂ ماضی کے نفقے کا حکم بھی دے سکتی ہے۔[42]

لقیط یالاوارث بچے کے نفقے کی ذمے داری بیت المال پر عائد ہوتی ہے۔ اگر لقیط کا ولی اس پر خرچ کرتا ہے تو وہ بیت المال سے اس خرچ کی ادائی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ عدم ادائی کی صورت میں اس رقم کو لقیط پر قرض تصور کیا جائے گا جو وہ بلوغت پر ولی کو ادا کرنے کا مجاز ہو گا۔ اگر لقیط کے ساتھ کوئی قیمتی اشیا بھی ملیں تو انھیں بیچ کر لقیط کے نفقے کے اخراجات ادا کیے جاسکتے ہیں۔ یہ شافعی اور حنبلی فقہا کی راے ہے۔[43]

۱۰۴- نفقۂ اولاد کی مد میں شامل اخراجات

اسلامی قانون کے مطابق نفقے میں مندرجہ ذیل اخراجات شامل ہوں گے: رضاعت کے اخراجات، حضانت کے اخراجات، روزہ مرہ کی ضروریات، رہائش کا خرچ (جہاں بچہ والدہ کے ساتھ رہائش پذیر ہے)، خادمہ کا خرچ اگر بچے کو خادمہ کی ضرورت ہو۔ مالکیوں کے نزدیک والد خادمہ کے خرچ کا ذمے دار نہیں ہے۔

۱- رضاعت کے اخراجات

رضاعت کے اخراجات ادا کرنے کا ذمہ دار والد ہے۔[44] اگر والدہ خود بچے کو دودھ پلاتی ہو تو اس صورت میں فقہا کے ہاں رضاعت کے اخراجات پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ حنفی، شافعی اور حنبلی فقہا کے نزدیک

۴۱- الفرغانی، نفس مرجع، ۱: ۳۲۵۔

۴۲- موسیٰ، نفس مرجع، ۱۲۷- ۱۲۹۔

۴۳- ابی محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ، **المغني و الشرح الكبير على متن المتنع في فقه إمام أحمد بن حنبل** (بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۴ء)، ۶: ۴۰۷- ۴۰۸؛ شبلی، نفس مرجع، ۱۲۷۔

۴۴- البہوتی، نفس مرجع، ۵: ۵۷۱؛ ابن نجیم، نفس مرجع، ۴: ۳۴۲- ۳۴۳۔

والدہ شادی اور طلاق رجعی کی عدت کے دوران رضاعت کے خرچ کی حق دار نہیں ہے کیوں کہ شادی اور طلاق رجعی کی عدت کے دوران شوہر نفقے کا ذمے دار ہوتا ہے، اس لیے وہ رضاعت کے لیے اضافی خرچ دینے کا پابند نہیں ہو گا۔ طلاق بائن کے بعد والد رضاعت کی اجرت دینے کا پابند ہو گا۔ مالکی فقہا ویسے تو دیگر فقہا سے اتفاق کرتے ہیں، لیکن ایک بات کا اضافہ کرتے ہیں کہ اگر والدہ کا تعلق کسی ایسے گھرانے سے ہو جن ہاں رضاعت کا رواج نہ ہو، تو اس صورت میں رضاعت کے لیے والد کسی کو اجرت پر رکھنے کا پابند ہو گا۔[۴۵]

جہاں تک رضاعت کی اجرت کی مقدار کے تعین کا معاملہ ہے تو والدین باہمی اتفاق سے بھی مقدار کا تعین کر سکتے ہیں۔ نزاع کی صورت میں والدہ کی معاشی صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے اس مقدار کا تعین کیا جائے گا۔ اگر والدہ اجرت کا مطالبہ کرے اور کوئی دوسری عورت کم اجرت یا بغیر اجرت رضاعت پر راضی ہو تو حنفی اور شافعی فقہا کے نزدیک اس عورت کو ترجیح دی جائے گی جب کہ حنبلی اور مالکی فقہا کے مطابق والدہ کو اجر مثل پر رکھ لیا جائے گا۔ رضاعت کی اجرت کی مقدار کا تعین کرنے سے پہلے عدالت اس خاندان کی دوسری خواتین کو دی گئی اجرت کا موازنہ کرے گی۔ رضاعت کی اجرت زیادہ سے زیادہ دو سال کے لیے دی جا سکتی ہے اس پر اجماع ہے۔ اگر والدہ یا کوئی رضاعی ماں دو سال کے بعد دودھ پلاتی ہے، تو وہ اس کے لیے اجرت کی حق دار نہ ہو گی۔ اگر والد کا رضاعت کی اجرت ادا کرنے سے پہلے انتقال ہو جائے تو یہ قرض تصور ہو گا اور والد کے ترکے سے لیا جائے گا۔[۴۶]

ب– حضانت کے اخراجات

والد بچے کی حضانت کے اخراجات ادا کرنے کا بھی پابند ہے۔ حنفی فقہا کے نزدیک شادی کے دوران والدہ حضانت کے اخراجات کا مطالبہ نہیں کر سکتی، کیوں کہ وہ شوہر سے پہلے ہی نفقہ لینے کی حق دار ہوتی ہے۔ یہی صورت حال ایک ایسی عورت کی ہے جو طلاق رجعی کے بعد عدت میں ہو۔ نفقہ اور حضانت کی اجرت اکٹھے نہیں ہو سکتے، لیکن اگر عورت نفقے کی حق دار نہیں (جیسے کہ طلاق بائن یا بیوگی کی عدت میں یا عدت گزرنے کے بعد) تو وہ اجرت طلب کر سکتی ہے، لیکن اگر والدہ کے اجرت کی حق دار نہ ہونے کے باوجود طرفین میں اجرت دینے کا معاہدہ طے پایا جائے تو وہ اجرت طلب کرنے کے لیے عدالت کا رخ کر سکتی ہے۔[۴۷]

۴۵– الزحیلی، **الفقه الإسلامي**، ۱۰: ۷۲۴– ۷۲۶؛ شبلی، نفس مرجع، ۷۱۹۔

۴۶– نفس مرجع۔

۴۷– ابن عابدین، **حاشية**، ۱۰: ۴۴۳ – ۴۴۵؛ شبلی، نفس مرجع، ۷۴۷؛ Nasir, *Islamic Law*, 181۔

اگر حاضنہ والدہ کے بجائے کوئی اور عورت ہو تو تمام فقہا کے نزدیک وہ اجرت لینے کی اہل ہو گی، سوائے اس کے کہ وہ خود اجرت لینے سے انکار کر دے۔ زمانۂ ماضی کے لیے حضانت کی اجرت طلب نہیں کی جاسکتی۔[۴۸]

جمہور فقہا (سوائے احناف کے) کے نزدیک والدہ حضانت کی اجرت طلب نہیں کر سکتی، لیکن اگر اسے خادمہ کی ضرورت ہو تو والد خادمہ کو تنخواہ ادا کرنے کا پابند ہو گا۔ اگر حاضنہ اجرت طلب کیے بغیر حضانت کی ذمے داری والد حاضنہ کی رہائش کے بندوبست کا بھی ذمے دار ہو گا۔

حنفی فقہا کے نزدیک اگر والدہ اجرت طلب کر رہی ہو اور کوئی اور خاتون رضاکارانہ طور پر یہ خدمت انجام دینے پر آمادہ ہو تو اس کو صرف دو شرائط پر والدہ پر ترجیح دی جاسکتی ہے: اوّل یہ کہ وہ خاتون بچے کی محرم رشتے دار ہو۔[۴۹] دوم یہ کہ والدہ کی اجرت بچے کے مال میں سے دی جائے گی، جب کہ والد اجرت دینے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اگر یہ شرائط پوری ہوں تو ایک رضاکار کو والدہ پر فوقیت دی جاسکتی ہے۔ اگر حضانت کے لیے کوئی رضاکار موجود نہیں ہے اور والد اجرت دینے کی استطاعت نہیں رکھتا تو والدہ کو حضانت کے لیے مجبور کیا جاسکتا ہے۔ اس صورت میں اجرت والد پر قرض تصور ہو گی جو وہ معاشی صورت حال بہتر ہونے پر ادا کرے گا۔ والد کی موت کی صورت میں یہ اجرت والد کے ترکے میں سے دی جائے گی۔[۵۰]

حضانت اور رضاعت کے لیے رضاکار خاتون کے حوالے سے چند بنیادی فرق ہیں۔ رضاعت کے لیے رضاکار خاتون کو والدہ پر فوقیت دی جاسکتی ہے قطع نظر کے اس بات کہ وہ خاتون بچے کی محرم رشتے دار ہے یا نہیں۔ کیوں کہ رضاعت سے بذات خود بچے اور رضاعی ماں میں محرم رشتہ پیدا ہو جاتا ہے، جب کہ حضانت کا معاملہ برعکس ہے۔ حضانت میں رضاکار خاتون کو والدہ پر فوقیت نہیں دی جاسکتی، جب تک کہ وہ بچے کی محرم رشتے دار نہ ہو، کیوں کہ جو محبت و شفقت والدہ دے سکتی ہے، اس کی توقع اجنبی خاتون سے نہیں کی جاسکتی۔ حضانت صرف ایسی عورت کو دی جاسکتی ہے جو بچے کے لیے محبت و شفقت رکھتی ہو۔[۵۱]

۴۸۔ نفس مرجع۔
۴۹۔ شبلی، نفس مرجع، ۷۴۹۔ ۷۵۱؛ موسیٰ، مرجع سابق، ۵۳۔ ۵۴۔
۵۰۔ نفس مرجع۔
۵۱۔ نفس مرجع۔

مالکی فقہ کے مطابق حاضنہ اجرت کی حق دار نہیں چاہے وہ والدہ ہو یا کوئی اور۔ والدہ حاجت مند ہے تو وہ بچے کے مال میں سے نفقہ لے سکتی ہے، لیکن اجرت نہیں۔ حضانت کی اجرت بچے کے مال میں سے ادا کی جائے گی لیکن اگر بچہ صاحب مال نہ ہو تو والد ادا کرے گا۔ اگر والد ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو یہ اس پر قرض تصور ہو گا۔ اگر والد موجود نہیں ہے تو جو بھی شخص نفقے کا ذمے دار ہے، وہی رضاعت اور حضانت کی اجرت دینے کا بھی ذمے دار ہو گا۔ اگر حاضنہ کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثا اجرت طلب کر سکتے ہیں۔[۵۲]

۱۰۵– والدین کا حق نفقہ

اسلامی قانون کے مطابق جس طرح والدین اولاد کے نفقے کے ذمے دار ہیں اسی طرح اولاد والدین کے نفقے کی ذمے دار ہے۔ کوئی اور رشتے دار اس ذمے داری میں حصہ ڈالنے کا پابند نہیں۔ ہر شخص اپنے والدین اور ان کے والدین (اگر زندہ ہوں) کے خرچ کا ذمے دار ہے۔ اگر معاشی صورت حال کے پیش نظر بیٹا والدین میں سے صرف ایک کو خرچ دے سکتا ہے تو حنفیوں کے نزدیک وہ ماں کو خرچ دینے کا پابند ہو گا۔ جب کہ والدین اپنا خرچ خود اٹھانے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں، لیکن کام کرنے یا کمانے کی عدم استطاعت کی شرط نہیں ہو گی کیوں کہ اللہ نے اولاد کو والد سے حسن سلوک کی ہدایت کی ہے۔[۵۳] اس کے بارے میں متعدد آیات قرآن کریم میں موجود ہیں۔[۵۴] اگر والدین کام کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں، لیکن کام نہ کرتے ہوں تو بھی وہ اولاد سے نفقہ طلب کرنے کے مجاز ہوں گے۔ اولاد اگر صاحب مال نہ ہو اور کام کرنے پر قادر ہو تو وہ والدین کو نفقہ دینے کی مجاز ہو گی۔[۵۵] والدین کا نفقہ اولاد پر فرض ہے کیوں کہ والدین کا اولاد پر حق اس حدیث سے ثابت ہے۔ ”تم اور تمھارا مال تمہارے باپ کا ہے۔“[۵۶]

اگر اولاد زیادہ ہو تو والدین کا خرچ اس بچے پر فرض ہو گا جو ان پر خرچ کرنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ اگر تمام اولاد معاشی طور پر مستحکم ہو تو حنبلی فقہا کے مطابق وہ سب اپنے حق وراثت کے مطابق ان پر خرچ

۵۲– الخطیب، **فقه الطفل**،۲۱۰۔

۵۳– المرغینانی، **الهداية**،۱۴۷– ۱۴۹؛ الفرغانی، **فتاوی**،۱: ۳۲۸– ۳۲۹؛ الکاسانی، **بدائع**،۵: ۱۶۷–۱۷۲۔

۵۴– القرآن ۲۹: ۸؛ ۸: ۳۱: ۱۴؛ ۱۷: ۲۳– ۲۴۔

۵۵– شبلی، نفس مرجع، ۸۴۳– ۸۴۴۔

۵۶– ابی عبداللہ محمد بن یزید القزوینی ابن ماجہ، **سنن أبي ماجة** (ریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، ۲۶۱۴۔

کرنے کے ذمے دار ہوں گے۔ مالکی فقہا کے نزدیک اولاد کی معاشی حالت کے مطابق نفقے کی ذمے داری کا تعین ہو گا۔ اگر کوئی ایک نسبتاً زیادہ مال دار ہے تو وہ زیادہ حصہ ڈالے گا۔ حنفی فقہا کے نزدیک تمام اولاد برابر ذمے دار ہو گی اور کسی کا بھی حصہ دوسرے سے زیادہ نہ ہو گا۔ اگر بیٹی صاحب مال ہو یا اس کا کوئی ذریعہ آمدن ہو تو وہ بھی بیٹوں کے ساتھ ذمے دار تصور ہو گی۔ اگر اولاد اور اولاد کی اولاد دونوں موجود ہوں تو اولاد والدین کے نفقے کی ذمے دار ہو گی کیوں کہ ان کا رشتہ زیادہ قریب ہے۔[۵۷]

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اگر بیٹا غیر حاضر ہے تو والدین اس کے مال میں سے نفقہ لینے کا حق رکھتے ہیں۔ اگر وہ ضرورت مند ہوں تو بیٹے کی منقولہ جائے داد بیچنے کا اختیار بھی رکھتے ہیں لیکن وہ غیر منقولہ جائے داد نہیں بیچ سکتے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ یہاں اپنے شیخ سے اختلاف کرتے ہیں اور ان کے نزدیک والدین کو منقولہ و غیر منقولہ جائے داد بیچنے کی اجازت نہیں ہے۔ فقہا کے نزدیک والدین ماضی کا نفقہ طلب نہیں کر سکتے کیوں کہ نفقے کی حاجت پوری ہو چکی، لیکن مالکی فقہا کے نزدیک عدالت اگر چاہے تو ماضی کے نفقے کی ادائی کا حکم دے سکتی ہے۔ احناف کے نزدیک اگر والدین عدالت سے رجوع کریں اور عدالت انھیں اپنے خرچ کے لیے قرض لینے کی اجازت دے تو اس قرض کی واپسی کا ذمہ دار بیٹا ہو گا۔ جہاں تک اشتراک مذہب کا تعلق ہے تو حنابلہ والدین اور اولاد دونوں کے نفقے میں اس شرط کے قائل ہیں۔

والدین کے نفقے میں ان کے تمام بنیادی اخراجات، خوراک، لباس اور رہائش شامل ہیں۔ اگر والدین کو خادم کی ضرورت ہو تو وہ بھی نفقے میں شامل قرار پائے گا۔[۵۸]

حنفی فقہ کے مطابق رشتے دار بھی نفقے کے اہل ہو سکتے ہیں، اگر وہ خود اپنا خرچ اٹھانے کی استطاعت نہیں رکھتے بہ شرطے کہ نفقہ اٹھانے والا ان لوگوں کا خرچ اٹھانے کی استطاعت و اہلیت رکھتا ہو۔ باقی فقہا رشتہ داروں کو حق نہیں دیتے۔[۵۹] اسلامی قانون اولاد کے نان نفقے کے بارے میں مفصل قوانین مہیا کرتا ہے اور اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ کسی بھی صورت میں بچوں کے حقوق پر زد نہ پڑے۔ والد، اولاد کے نفقے کا ذمے

۵۷۔ شبلی، نفس مرجع، ۸۴۴۔ ۸۴۵؛ الرملی، **نهاية المحتاج**، ۷: ۲۲۴، المرغینانی، نفس مرجع، ۷: ۱۴۷۔ ۱۴۹؛ موسیٰ، نفس مرجع، ۷: ۱۲۷۔ ۱۲۹۔

۵۸۔ البہوتی، نفس مرجع، ۵: ۵۶۶۔ ۵۶۹؛ ابن نجیم، نفس مرجع، ۴: ۳۵۲۔ ۳۵۳۔

۵۹۔ المرغینانی، نفس مرجع، ۱۴۶۔

دار ہے، لیکن اس کی عدم موجودگی یا عدم استطاعت کی صورت میں قریب ترین رشتے دار پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ اگر بچہ لاوارث ہو تو یہ ذمے داری ریاست اور بیت المال پر عائد ہوتی ہے۔

۲۔اولاد کا حقِ نفقہ پاکستانی قانون کی نظر میں

جہاں اسلامی قانون اولاد کے حق نفقہ کے بارے میں تفصیلی قوانین مہیا کرتا ہے، وہیں پاکستانی قانون اس حق کے بارے میں خاموش ہے۔ سنہ ۱۹۸۱ء سے پہلے اولاد کے حقِ نفقہ کے بارے میں فوج داری قانون Criminal Procedure Code کی شق ۴۹۰– ۴۸۸ میں قانون موجود تھا۔ اس قانون کے مطابق ایک شخص کو اپنی بیویوں اور بچوں کے نفقہ کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا۔ نفقہ کی ماہانہ مقدار ۴۰۰ روپے مقرر کی گئی تھی اور نفقہ ادا نہ کرنے کی صورت میں قید کی سزا مقرر تھی۔ قابل اعتراض بات اس قانون میں یہ تھی کہ والد کو نہ صرف جائز بلکہ ناجائز بچوں کے نفقے کا بھی ذمے دار ٹھہرایا گیا تھا۔ یہ قانون اسلامی قانون سے متضاد تھا کیوں کہ اسلامی قانون کے مطابق ایک شخص اپنے جائز بچوں کے نفقے کا ذمے دار تو ہوتا ہے لیکن ناجائز بچوں کے لیے وہ ذمہ دار نہیں ہوتا۔(۶۰) ۱۹۸۱ء میں اس قانون کو منسوخ کر دیا گیا لیکن اس کی جگہ کوئی اور قانون نہیں بنایا گیا۔ اب پاکستان میں اعلیٰ عدلیہ کے فیصلے ہی اولاد کے حق نفقہ سے متعلق قوانین جاننے کا واحد ذریعہ ہیں۔

اعلیٰ عدلیہ کے فیصلوں پر نگاہ دوڑائی جائے تو پتا چلتا ہے کہ اولاد کے نفقے کی ذمے داری یہاں بھی والد پر ہی عائد ہوتی ہے۔(۶۱) نفقے سے مراد خوراک، لباس، رہائش اور دوسرے ضروری اخراجات ہیں جو بچے کے معقول طرز زندگی کے لیے ضروری ہوں۔(۶۲)

کسی قانون کی عدم موجودگی میں عدالتیں نفقے کے مقدمات کا فیصلہ کرنے میں وسیع اختیارات رکھتی ہیں۔ اس وسیع اختیار کے استعمال کے نتیجے میں بسا اوقات متضاد فیصلے بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ پاکستانی قانون میں بھی نفقے کے والد پر فرض ہونے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ بچہ ضرورت مند ہو اور اپنا نفقہ خود اٹھانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔(۶۳) والد پر اولاد کا نفقہ اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ وہ خود کمانے کی استطاعت

60– See Mudasra Sabreen, Paratage; "A comparative study of Islamic and Pakistani Law", Fratiers of Legal Research, Vol:1 (2), 2013, 21-36.

۶۱– عمارہ خان بنام سلطانہ، PLD, 1954, Peshawar, 13، رزاق بنام محمود، 1992 CLC5

۶۲– مقصود احمد سہیل بنام عابدہ حنیف، 1992 MLD 219۔

۶۳– غلام فاطمہ بنام محمد بشیر، PLD ۱۹۵۸, Lahore, ۵۹۶۔

نہ رکھتا ہو۔ اس مقصد کے لیے عدالت اس بچے کی خاندانی حیثیت اور رسم ورواج کو دیکھ کر عمر کا تعین کرے گی۔ جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے تو والد بچے کے تعلیمی اخراجات کا بار اٹھانے کا پابند ہے لیکن اگر بچہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہے تو والد اس کا خرچ اٹھانے کا پابند نہیں ہو گا۔[۶۴] عدالت کی یہ سوچ اسلامی قانون سے مطابقت رکھتی ہے۔

پاکستانی عدالتیں زوجہ کے حق نفقہ اور اولاد کے حق نفقہ میں فرق کرتی ہیں۔ مقدمہ مسماۃ رضیہ بیگم بنام غلام رسول میں عدالت عالیہ لاہور نے یہ فیصلہ دیا کہ والد اگر مضبوط مالی حیثیت نہیں رکھتا، مگر کمانے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس پر اولاد کا نفقہ واجب ہو گا۔[۶۵] والد کی خراب معاشی صورت حال سے اولاد کا حق نفقہ ساقط نہیں ہو گا، تاوقتیکہ والد کام کرنے اور کمانے کی صلاحیت و استطاعت رکھتا ہو۔[۶۶] عدالت کی یہ رائے حنفی نقطۂ نظر کے مطابق ہے جو کہ نہ صرف والد کی معاشی صورت حال بلکہ اس کے کام کرنے اور کمانے کی صلاحیت کو بھی مد نظر رکھتا ہے۔

اگر بچہ والدہ کی حضانت میں ہو تب بھی اس کا نفقہ والد پر ہی واجب ہو گا۔[۶۷] اس پر متعدد عدالتی فیصلے موجود ہیں،[۶۸] لیکن اگر والدہ کی موت کے باعث بچے کا حق حضانت ختم ہو جائے لیکن پھر بھی ننھیال والے بچے کو باپ کے سپرد کرنے پر راضی نہ ہوں تو بچے کا حق نفقہ ختم ہو جائے گا۔[۶۹]

عدالتیں نفقہ کی مقدار کا تعین والد کی مالی حیثیت کو مد نظر رکھ کر کرتی ہیں۔ عدالت نہ صرف والد کے ذرائع آمدن بلکہ اس پر مالی ذمے داریوں کا بھی جائزہ لے گی اور اس کے بعد نفقے کی مقدار کا تعین کرے گی۔[۷۰] مقدمہ عبدالخالق بنام فوزیہ بی بی میں عدالت عالیہ پشاور نے یہ فیصلہ دیا کہ نفقے کی مقدار کے تعین سے پہلے عدالت والد کی معاشی صورت حال، فریقین کی معاشرتی حیثیت، والد کی دیگر معاشی ذمہ داریوں اور بچے

۶۴- الغادین بنام مسماۃ پروین اختر، PLD 1970, SC 75۔

65– 1972 PCR, Lahore 1286.

66– PLD 2001, Lahore, 188.

۶۷- ایس، ایم اسلم بنام روبی اختر، (PLD, Karachi, 1) 1996۔

۶۸- امرا بنام راشدہ اختر۔

۶۹- مسماۃ حمید بیگم بنام سید حسین، PLD 1958, SC 284۔

۷۰- مشاہد رضا بنام ڈاکٹر فوزیہ شاہین، PUJ 2004, Peshawar, 234۔

کے ضروری اخراجات کا جائزہ لے گی۔(۷۱) عدالتی فیصلوں کے مطابق والد اپنے بیٹے کے لیے اس کی بلوغت تک اور بیٹی کے لیے اس کی شادی تک ذمے دار تصور کیا جائے گا۔(۷۲) ایک بالغ بیٹے کے نفقے کی ذمے داری والد پر صرف اس صورت میں عائد ہوگی اگر وہ کمانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو یا تعلیم حاصل کر رہا ہو۔ بچے کی رہائش چاہے والد کے ساتھ ہو یا والدہ کے ساتھ اس کے نفقے کی ذمے داری والد پر ہی عائد ہو گی۔(۷۳) شادی کے بعد شوہر بیوی کا ذمے دار ہو گا۔ طلاق یا بیوگی کی صورت میں نفقے کی ذمے داری دوبارہ والد پر آپڑے گی به شرطے کہ لڑکی کے پاس کوئی اپنا ذریعۂ آمدن نہ ہو۔(۷۴) مقدمہ غلام خان بنام ڈسٹرکٹ جج گجرات میں والد نے یہ نکتہ اعتراض اٹھایا کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا ہے، لیکن وہ انکاری ہے۔ اس کے انکار کے بعد والد اس کو نفقہ دینے کا پابند نہیں ہے۔ عدالت عظمی نے والد کا اعتراض مسترد کر دیا۔ عدالت نے فیصلے کے وقت یہ بات مد نظر رکھی کہ بیٹی کے شادی سے انکار کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی بیمار ماں کی دیکھ بھال کر رہی ہے اور اس کی شادی کی صورت میں اس کی ماں کی تیمار داری کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔ عدالت عظمی نے والد کو تب تک نفقہ دینے کا ذمے دار ٹھہرایا جب تک کہ بیٹی اپنے حالات کے مطابق شادی کا فیصلہ نہیں کر لیتی۔(۷۵) ایک اور مقدمہ راشد احمد بنام ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج لاہور میں والد نے یہی اعتراض اٹھایا کہ اس کی تین بیٹیاں چوں کہ شادی سے انکاری ہیں اس لیے وہ ان کے نفقے کا پابند نہیں۔ اس مقدمے میں لڑکیوں کے شادی سے انکار کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں تھی، لہٰذا عدالت نے والد کے حق میں فیصلہ دیا اور اسے نفقے کے فرض سے مبرا کر دیا۔(۷۶)

جہاں تک نفقے کی مقدار میں سالانہ اضافے کا تعلق ہے تو اس بارے میں عدالتی فیصلوں میں تضاد نظر آتا ہے۔ مقدمہ ابرار حسین بخاری بنام ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج لاہور میں ماتحت عدالت نے فیصلہ دیا کہ نفقے کی مقدار جو کہ ایک لاکھ روپے ماہانہ مقرر کی گئی تھی، پر سالانہ پچیس فی صد اضافہ کیا جائے گا۔ والد نے اعتراض اٹھایا کہ یہ اضافہ بے جا ہے اور نفقے کی مقدار بھی زیادہ ہے۔ عدالت عالیہ لاہور نے والد کی مالی حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ دیا کہ نفقے کی مقدار مناسب ہے لیکن سالانہ اضافے کو کم کر کے دس فیصلہ کر دیا گیا۔

۷۱– PUD 2012, Peshawar 97۔

۷۲– عبدالطیف بنام صورت خاتون، 1989 SCMR 456۔

۷۳– شبیر احمد بنام مسماۃ غلام سکینہ 1993 CLC 1880۔

۷۴– میاں محمد صابر بنام مسماۃ عظمی پروین۔

75– 1990 SCMR 136.

76– 2011 YLR Lahore 1632.

عدالت نے اپنے فیصلے میں اس بات کو بھی مد نظر رکھا کہ بچہ ذہنی طور پر متاثر ہے اور کہا کہ والد نہ صرف بلوغت تک بلکہ اس وقت تک بچہ کے نفقے کا ذمہ دار ہے جب تک وہ صحت یاب نہیں ہو جاتا۔(۷۷) ایک اور مقدمہ محمد عمر فراز بنام ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج میں فیصلہ کیا گیا کہ نفقے کی مقدار میں سالانہ اضافے کو مقرر کرنا غیر قانونی ہے، کیوں کہ قانون میں ایسی کوئی گنجائش موجود نہیں۔(۷۸)

عدالتی فیصلوں کے مطابق والد کے بعد دادا بچے کو نفقہ دینے کا ذمے دار ہو گا،(۷۹) لیکن اگر والدہ ہو تو نفقہ دینا اس کی ذمے داری ہے دادا کی نہیں۔(۸۰) اگر والد غیر حاضر یا لاپتا ہو اور اپنی ذمے داری ادا نہ کر رہا ہو تو دادا کو یہ ذمے داری سونپی جاسکتی ہے۔(۸۱)

عدالتی فیصلوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پاکستانی عدالتیں فیصلہ دیتے وقت اسلامی قوانین کو مد نظر رکھتی ہیں، لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اولاد کے حق نفقہ کے بارے میں ایک مفصل قانون بنایا جائے تاکہ عدالتیں متضاد فیصلے نہ دے سکیں۔ جب کسی موضوع پر مفصل قانون موجود نہیں ہوتا تو عدالتیں بہت بااختیار ہو جاتی ہیں اور اس وسیع اختیار کو استعمال کرتے ہوئے پیچیدہ اور متضاد فیصلے کر دیتی ہیں۔ یہ مقننہ کی ذمے داری ہے کہ پاکستانی عائلی قوانین میں موجود اس خلا کو پر کرے اور اس موضوع پر قانون سازی کرے۔

نتائج بحث

نفقہ بچے کا مذہبی و قانونی حق ہے۔ اسلامی قانون کے مطابق والد اپنی اولاد کے نفقے کا ذمے دار ہے بہ شرطے کہ اولاد صاحب مال نہ ہو۔ یہ ذمے داری صرف والد کی ہے، البتہ اس کی ادائی پر وہ ثواب کا مستحق ٹھہرایا جائے گا۔ والد کے غائب یا غیر حاضر ہونے کی صورت میں یہ ذمے داری دوسرے رشتے داروں پر آپڑے گی اور قریب ترین رشتے دار کو نفقے کے لیے ذمے دار تصور کیا جائے گا۔

اسلامی قانون اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ بچوں کے حقوق پر کسی بھی صورت میں زد نہ پڑے۔ کسی بھی قریبی رشتے دار کی عدم موجودگی کی صورت میں بچوں کے نفقے کی ذمے داری ریاست اور بیت المال پر عائد ہوتی ہے۔ پاکستان میں اس موضوع پر کوئی جامع قانون موجود نہیں ہے، لیکن اگر ہم عدالتی فیصلوں پر نظر

77– 2012 YUR Lahore 1703.

78– PLD 2012 Lahore 170.

۷۹– عبداللہ بنام جویریہ اسلم، PUJ 2004, Lahore 9-

80– PJD 1991 SC 543.

81– PUD 2012 Lahore 1480.

ڈالیں تو ہمیں عدالتوں کا واضح جھکاؤ اسلامی قانون کی طرف نظر آتا ہے۔ پاکستانی عدالتیں زیادہ تر اسلامی قوانین کے مطابق ہی نفقے کے مسائل کو طے کرتی ہیں۔ ایک اہم مسئلہ یہاں یہ ہے کہ کوئی جامع قانون موجود نہیں ہے اس لیے عدالتیں اپنی سوچ اور رجحان کے مطابق فیصلے دیتی ہیں جو بسا اوقات متضاد ہوتے ہیں۔ پاکستان کی مقننہ کو چاہیے کہ اسلامی قوانین کی روشنی میں اولاد کے حق نفقہ کے بارے میں تفصیلی قانون سازی کرے تاکہ پاکستان کے عائلی قوانین میں موجود یہ خلا پر کیا جاسکے۔